مسدس

موسومہ بہ

مرقع کشمیر

جسے

مینجر ترلوک بک ایجنسی پرانی کوتوالی لاہور نے

سنہ ۱۹۱۵ء میں

پنجاب نیشنل سٹیم پریس لاہور سے

چھپوا کر پنڈت لچھمی نراین صاحب کول کے لئے شائع کیا

کشمیر جنت نظیر کے تحفے

دانت خلال } اخروٹ کی لکڑی کے نہایت خوبصورت باریک اور بالکل ہلکی جن لوگوں نے یہ دانت خلال منگوائے ہیں وہ انکے خوشنما فیشن ایبل ہونے کی وجہ سے بار بار اُن کو منگوا چکے ہیں۔ شادی بیاہ۔ ضیافتوں اور دعوتوں کے موقعوں پر یہ دانت خلال نہایت کار آمد ہوتے ہیں اور صرف چھ آنے خرچ کرنے سے ایک سو آدمی خوش ہو سکتا ہے دانت خلال شمشیر نما ہے ان کی خوبصورتی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے قیمت فی سینکڑہ چھ آنے یہ دانت خلال اِسقدر سُبک ہیں کہ جو خرچ ڈاک پانچسو کے لئے ہے وہی چار ہزار کے لئے یعنی چار آنے سے زیادہ پارسل پر خرچ نہیں آتا اسلئے اگر چند دوست ملکر منگوائینگے تو محصول کی اُن کو بچت رہے گی +

کشمیری ساخت کے پتھرونکے سیٹ } مختلف رنگ اور مختلف نمونوں کو درجہ اوّل فی سیٹ ۴/ درجہ دوم ۳/ سیٹ میں دو سٹڈ قمیض کی کفوں کے اور چار سامنے کے بٹن ہیں یہ سیٹ نہایت مقبول ہوئے ہیں نہایت خوشنما اور پائدار ہیں۔

قط گیر ہاتھی دانت کے قیمت ۴/ پیتل کے ۱۰/ پیتل کے قط گیرونکے ساتھ دوات ہیں پانی ڈالنے کا خوبصورت چمچہ بھی ہے۔

پینسل کا ہولڈر جسکے سر پر پشنگ فیروزہ کی مینا کاری ہے قیمت ۳/

قبلہ نما و قطب نما۔ گول پان کے پتے کی شکل بادام نما قیمت ۱۲/

چاندی کی کانگڑی چاندی کی تاروں سے بنی ہوئی گھڑی کے زنجیر میں لگانے کے لئے نہایت خوبصورت قیمت ۱۲/ ان کے علاوہ کشمیر کے مختلف ویوز یعنی نظارے ہر قسم کے رنگین فی کارڈ ۳/ سادہ فی کارڈ قیمت ۲/ +

انکے علاوہ کشمیر کی دیگر اشیا بھی مہیا کیجا سکتی ہیں +

ملنے کا پتہ۔ **ترلوک بک ایجنسی پرانی کوتوالی لاہور**

مطلعِ اوّل

اے علم تجھ پہ حضرتِ انسان کو ناز ہے — اے عقل تجھ سے ہر کہ و مہ سرفراز ہے
اے فہم تجھ سے بابِ حقیقت کا باز ہے — اے فکر اوج عرش پہ تو یکہ تاز ہے

مشتاق ہیں کلیم صفت ہم ظہور کے
لیکن پسند ڈھنگ نہیں برقِ طور کے

اے جوہرِ لطیف نہاں تو بشر میں ہے — تیری ہوا دماغ نسیم سحر میں ہے
تو رنگ و بو گلوں میں شرر تو حجر میں ہے — تو دردِ صوتِ بلبلِ خستہ جگر میں ہے

ہو جلوہ گر اس انجمنِ بے نظیر میں
ہمت جواں میں زور ہو تو عقل پیر میں

اے شاہدِ مراد یہ ہے تیری جستجو — واچشم کی طرح سے ہے آغوشِ آرزو
گل ہیں ہزار رنگ تسا ہے نہ تیری بو — پھرتے ہیں تیرے واسطے آوارہ کو بکو

جلوہ دکھا کہ چہرۂ امید دیکھ لیں
ذرے بھی اپنی آنکھ سے خورشید دیکھ لیں

اے غیرت و حمیتِ قومی کدھر ہو تم — اے عز و شان شوکتِ قومی کدھر ہو تم
علم و کمال و جودتِ قومی کدھر ہو تم — جاہ و جلال و ثروتِ قومی کدھر ہو تم

ہے مدعائے دل کہ تمہاری مدد سے ہم
بحرِ جہاں کی نکلیں کہیں جزر و مد سے ہم

اے حسنِ اتفاق جما تو بھی اپنا رنگ — اے اتحاد تیری بھی دیکھیں ذرا امنگ
ہاں اے صفائی قلب دکھا اپنا رنگ ڈھنگ — باقی کدورتوں کا دلوں میں رہے نہ زنگ

اے جوشِ حُبِ قوم حمایت کا وقت ہے
کشمیریوں پہ چشمِ عنایت کا وقت ہے

اے زورِ فکر ضعف میں ہو آکے دستگیر
تیغ جواں قلم ہو کسی جا عصائے پیر
نکلے زباں سے جو سخن ہو وہ دل پذیر
یہ نظم ہو مرقع گلزارِ کاشمیر
اہل سخن کا سارے مسدس پہ صاد ہو
پڑھ لے جو اس بیاض کو روشن سواد ہو

مشتاق بزم میں ہیں سب اصحاب باصفا
حُبِ وطن سے آئینۂ دل کی ہے جِلا
ہے شمع اتحاد کی پھیلی ہوئی ضیا
پیش آج سب کے آگے ہو برسوں کا ماجرا
کھلجائے سب پہ وجہ کمال و زوال کی
تصویر پیشِ چشم ہو ماضی و حال کی

اِک رنگ پر زمانہ کو رہنا نہیں قرار
اس گلشنِ جہاں میں خزاں ہے کبھی بہار
شام و سحر سے گردشِ گردوں ہے آشکار
ظاہر ہے چار فصل سے نیرنگ روزگار
شاہد ہے اُسپہ دفتر گل کا ورق ورق
ہر خار کو بھی نوک زباں ہے یہی سبق

آتی ہے رات دن لبِ دریا سے یہ صدا
ٹوٹے گا جزر و مد کا ابد تک نہ سلسلا
ایما یہ بدر سے ہے فلک پر ہلال کا
وہ کون ہے جہاں میں جو بڑھکر نہیں گھٹا
ہے چاندنی کبھی کبھی اندھیاری رات ہے
جو رنگ اس زمانے کا ہے بے ثبات ہے

ہے انتظام خلقتِ عالم اسی طرح
شادی و غم ازل سے ہیں توام اسی طرح
گھر گھر بہم ہیں عشرت و ماتم اسی طرح
جم جم کے محفلیں ہوئیں برہم اسی طرح
تاریخ حال اہل سلف کی گواہ ہے
غافل کے واسطے سبق انتباہ ہے

تاریخ ہے معلم باہوش و باخبر
ہو اسکے مدرسے میں اگر ایک دم گذر

مضمون ملیں وہ جنسے ہو روشن دلِ بشر
عالم یہاں کا اور ہی آنے لگے نظر

اُٹھے نقاب دیدۂ وہم وخیال سے
ماضی زیادہ صاف نظر آئے حال سے

تاریخ عقدہ ہائے سلف کی کلید ہے
رشتہ یہی میاں قریب و بعید ہے
جسکو کہ ہم سمجھتے ہیں وضع جدید ہے
اُس کی لباس کہنہ سے قطع و برید ہے

عاقل کو ہے تمیز کہ یہ بات اصل ہے
ماضی وحال میں انہیں دونو نکا فصل ہے

پھر کیوں ہیں پچھلی باتوں سے بیہوش و بیخبر
بھولے ہوئے ہیں حال گذشتہ کو سر بسر
تاریخ قوم پر نہیں کرتے ذرا نظر
ہے سامنے نظیر بزرگانِ خوش سیر

نیرنگئے فلک سے عبث ڈر رہے ہیں ہم
کیا ہوگیا ہے ہم کو یہ کیا کر رہے ہیں ہم

ٹیڑھا ہے گو کہ عرصۂ ہستی کا راستا
ہے شمع راہ راست بزرگوں کا تجربا
ہیں مثلِ خضر نقشِ قدم اُن کے رہنما
اُن سے ملیگا منزل مقصود کا پتا

گو وقت اور ہی ہے دگرگوں زمانہ ہے
سُننے کے قابل آج بھی اُن کا فسانہ ہے

ہے سنگ دل کے واسطے رقت کی داستاں
بے ہمتوں کو جوشش ہمت کی داستاں
بزدل کو بڑھ کے شیر سے جرأت کی داستاں
ناواقفان مہر کو اُلفت کی داستان

جو بزم میں ہے پیر ہے وہ یا جوان ہے
اُس کو طلائے پند و نصائح کی کان ہے

مطلع دوم

ہاں اے قلم بہار سے رنگِ خزاں دکھا
پھولوں سے خالی ہوتے ہوئے گلستاں دکھا
ہر سرو شکل آہ دلِ بیکساں دکھا
رنگ چمن کے اڑنے کو مثل دُخاں دکھا

ہر دل عزیز جو تھا ذلیل و حقیر ہو
یہ سب کہیں کہ ہو نہ ہو یہ کاشمیر ہو

جب حملہ اہل غرب کا کشمیر پر ہُوا — لِکھا ہے راویوں نے یہ حال اس زمانہ کا
ہر ایک بزم عیش ہوئی مجلسِ عزا — شمع نشاط گل ہوئی غم کی چلی ہوا
اِک دم میں کیسے برہمیٔ انجمن ہوئی
کیا کہیے کیا خرابیٔ اہل وطن ہوئی

کشمیریوں پہ سخت مصیبت کا وقت تھا — ہر اک پہ قبل حشر قیامت کا وقت تھا
دشمن کی بدعت اور عداوت کا وقت تھا — یہ اہل دیں کی جرأت و ہمت کا وقت تھا
کِس نے کڑی اٹھائی تھی ایسی جہان میں
ٹھیرا وہی جو مرد تھا اس اِمتحان میں

مذہب کے پیچھے سینکڑوں نے اپنی جان دی — رنج والم اُٹھائے زبان سے نہ آہ کی
تیرِ ستم چلے کہیں تیغ جفا چلی — ہنگامہ کُشت و خُون کا برپا تھا گلی گلی
طوفان ظلم سے تھا تلاطم مچا ہُوا
تھا ناخُدا نہ کشتیٔ دیں کا بجُز خُدا

کہتے تھے جان جائے پر ایماں نہ جائیگا — لیجائے زر عدو پہ یہ دولت نہ پائے گا
ہم کو زمانہ دیکھیں تو کب تک ستائیگا — اچھا بھی وقت ایک نہ ایک روز آئیگا
اِنساں وہ کیا کہ حق پہ جو ثابت قدم نہیں
ہٹ جائیں راہ راست سے حضرت وہ ہم نہیں

چھوٹے بڑے فقیر و امیر اور مرد و زن — سب کے دلوں میں چشمۂ ایماں تھا موجزن
کٹتے تھے تن سے جان چھٹے جان سے بدن — لیکن کسی طرح نہ مٹے نام برہمن
گردید پاک دہر میں مہر منیر ہو
چرخ چہارم اُسکے لئے کاشمیر ہو

ایسا ہی جوش تھا کہ جو گھر بار چھوڑ کر — چھوٹوں بڑوں کی سب کی سفر پر بندھی کمر

کھانے کو پاس کچھ نہ تھا اور راہ پُر خطر	بچّوں کی بیبیوں کی حفاظت پہ تھی نظر
کیا جانے کیا غریبوں پہ آفت گذر گئی
دُشمن کو بھی خُدا نہ دکھائے وہ دن کبھی

چھُوٹے عزیز گھر چھُٹا اپنا وطن چھُٹا	صدمہ یہ تھا کہ رُوح سے گویا بدن چھٹا
اس طرح کاشمیر سے ہر مرد وزن چھُٹا	نعرہ تھا عندلیب سے صحن چمن چھُٹا
رونے تھے سب کہ ہائے یہ کیا اوس پڑ گئی
کیسی ہوا چلی کہ جو کھیتی اُجڑ گئی

کشمیر سا وطن جو چھُٹے کیوں نہو محن	وہ تھا عدن تو لوگ تھے اُسکے دُرِ عدن
رشکِ ریاضِ خُلد بریں تھا ہر اِک چمن	غلماں و حُور سے کہیں خوب اُسکے مرد وزن
چشموں پہ اُسکے چشمۂ کوثر کو ناز تھا
طوبےٰ سے ہر نہال چمن سرفراز تھا

تھے کوہسار چار طرف صورتِ حصار	فرشِ زمیں پہ سبزۂ نورس کی تھی بہار
جاری قدم قدم پہ پہاڑوں سے آبشار	شاخِ گُل چمن پہ غزلخواں کہیں ہزار
غنچے کلاہِ کج کے سرو نپر دھرے ہوئے
ہر گُل مئے نشاط سے ساغر بھرے ہوئے

وہ خطۂ زمیں بھی عجب پُر بہار تھا	ہر گل سے جسکے گلشن جنت کو خار تھا
سب خوش تھے کوئی غم نہ کوئی انتشار تھا	ہر اِک ہزار جاں سے وطن پر نثار تھا
ہوتے تھے پورے سب وہ اِرادے جو جیکے تھے
سچ تو یہ ہے انہیں کو مزے زندگی کے تھے

پڑھنے سے وید پاک کی ہر اِک کو کام تھا	چرچا آلہیات کا ہر صبح شام تھا
کج فہمی کا نِشاں نہ جہالت کا نام تھا	پُر دولتِ علوم سے ہر خاص و عام تھا
کیا کہیئے کیسے لوگ وہ روشن دماغ تھے
بزمِ وطن کے سب وہی شمع و چراغ تھے

کشمیر اُن کی ذات سے مشہور دہر تھا — ہندوستاں کو فخر تھا اُس پر بہت بجا
یوناں پہ فوق لیگیا تھا اُس کا فلسفا — صناعی کا تھا چین میں جھنڈا گڑا ہُوا

مخزن تھا علم و عقل کا حکمت کی کان تھا
ممنون اِسکے فیض کا سارا جہان تھا

سامان عیش جمع تھے عشرت کا وقت تھا — علم و ہنر کی عزت و حشمت کا وقت تھا
آپس میں اتحاد و محبت کا وقت تھا — پر تاک ہی میں گردش قسمت کا وقت تھا

ہنستے تھے کیا خبر تھی کہ اِک روز روئینگے
اپنے وطن کو چھوڑ کے برباد ہوئینگے

جو آفتیں پڑیں کسے اُن کا خیال تھا — مذہب بچا تو جان کا بچنا محال تھا
تھا جو کمال اُسپہ ہجوم زوال تھا — جو بدر تھا وہ گھٹ کے مثال ہلال تھا

پُر خم کمر تھی مثل کماں غم کا جوش تھا
جو تھا وہ گھر کو چھوڑ کے خانہ بدوش تھا

منظور کچھ یہی تھا خدائے کبیر کو — لوٹا خزاں نے گلشن جنت نظیر کو
فرقت وطن کی پیش تھی برنا و پیر کو — کشمیر اُن کو روتا تھا وہ کاشمیر کو

حسرت ٹپکتی تھی در و دیوار و بام سے
شور **الفراق** کا تھا بلند اژدحام سے

ہر نخل خشک صورت شاخ بریدہ تھا — ہر گل الم سے جیب و گریباں دریدہ تھا
شبنم کا قطرہ قطرۂ اشک چکیدہ تھا — غم سے ہر ایک چشمۂ آب آب دیدہ تھا

خالی زمین باغ تھی نقش و نگار سے
بیگانہ روئے سبزہ تھا رنگِ بہار سے

کیا کہیے کس طرح سے چلے چھوڑ کر وطن — دل میں یہ تھا کہ پھر کے نہ دیکھینگے یہ چمن
فوجِ عدو تھی برق کی مانند خندہ زن — گریاں مثال ابر ادھر کے تھے مرد و زن

چھوٹے عزیز اپنے وطن سے ہوئے جُدا

برگِ خزاں کی طرح چمن سے ہوئے جُدا

یوں کاشمیر سے ہوئے وہ نوحہ گر جُدا
پہلوے دل سے جیسے ہوں لختِ جگر جُدا
دریا سے دُر چمن سے بھی گلہائے تر جُدا
محفل سے شمع بزم بھی وقتِ سحر جُدا

نکلے وطن سے نکہتِ گل جیسے باغ سے
یا دُودِ منتشر کسی بجھتے چراغ سے

برباد کوہسار و بیاباں میں سب رہے
کچھ پوچھئے نہ اُن پہ جو رنج و تعب رہے
کتنے غریب ریگِ بیاباں میں دب رہے
صد مونیہ صد قافلہ پر روز و شب رہی

نالاں تھے سب کے سب جرس کاروانکی طرح
صحرا میں خاک اڑاتے تھے ریگِ روانکی طرح

بیٹا چھٹا کسی کا کسی کا پدر چھٹا
بھائی کے صدمے میں تھا کہیں بھائی مبتلا
دختر سے ماں تو زوجہ سے شوہر ہوا جُدا
غربت ہوئی رفیق چھٹے دوست آشنا

سامان بیکسی تھے بیابان تھا خار تھا
غم کی چھری سے سینہ ہر اِک کا فگار تھا

حسرت سے ہاتھ برگِ شجر اپنے ملتے تھے
چشموں سے کوہسار کے آنسو نکلتے تھے
ذرّے زمین پر تپشِ غم سے جلتے تھے
گردِ ملال اڑتی تھی جس راہ چلتے تھے

ہر خارِ راہ خارِ غمِ دل خراش تھا
جو سنگ ریزہ تھا جگر پاش پاش تھا

کیا لوگ تھے ہزار مصیبت میں گو پڑے
لیکن وہ راہ مذہب و دیں پر رہے اڑے
آہن سے اور سنگ سے بھی دل کے تھے کڑے
دل کو مخالفوں کے بٹھایا کھڑے کھڑے

کم ہمتوں کو گو ہے سفر صورتِ سقر
لیکن ہوا وہ اُن کے لئے باعثِ ظفر

کہسار سے جو صورتِ دریا ہوئی رواں
پیش آئے اُن کو سنگِ حوادث کہاں کہاں
لیکن قدم رُکے نہ رہے اوجِ عزوشاں
ہمت کا ہاتھ سے نہ کسی دم چھٹا نشاں

سبکے دلوں میں صبر و تحمل کا جوش تھا
جانباز تھا ہر ایک ہر اک سرفروش تھا

لاہور میں کوئی کوئی دہلی میں آبسا
فکرِ معاش میں ہوئی مصروف جا بجا
عالم بنا نہ دوست کوئی اور نہ آشنا
حامی تھی وقت بد میں فقط ذات کبریا

کتنے تھے سختیوں سے ہمیں کیا ہراس ہے
کچھ ڈر نہیں ہے توشہ ہمت تو پاس ہے

مانا وطن نہیں ہے وہ اہل وطن نہیں
وہ گل کہیں نہیں ہے وہ رنگ چمن نہیں
یاراں نکتہ رس نہیں وہ انجمن نہیں
وہ صاحب کمال وہ اہل سخن نہیں

شاہانِ خاندانِ مغل کا زمانہ ہے
جو بات ہے نئی ہے نیا کارخانہ ہے

لیکن یہی تو وقت ہے اظہار صبر کا
ڈر جائے مشکلوں سے جو وہ آدمی ہے کیا
اللہ نے ہمیں بھی تو آخر کئے عطا
علم و ہنر فراست و ذہن و خرد ذکا

لاحل سمجھئے عقدہ تقدیر کس لئے
پائی ہے ہم نے ناخنِ تدبیر کس لئے

سچ تو یہہ ہے جو کتنے تھے کر کے دکھا دیا
سِکہ تمام ہند میں اپنا بٹھا دیا
فیضی کا رنگ بزم سخن سے اڑا دیا
حکمت میں نام شیخ کا بالکل مٹا دیا

ذی جاہ و ذی حشم ہوے دربار رس ہوے
جاگیر پائی صاحب فیل و فرس ہوئے

گو تھوڑے ہی سی تھی یہ پر آپکے میل سے
ہمعصروں پر مقابلہ میں فوق لے گئے
اُس وقت بد میں حامی تھے سب اپنی قوم کے
محسود عام کشور ہندوستان میں تھے

ہندو یہود بودھ مسلمان و گبر کیا
ہر جا پہ اتفاق تکشمر کا ذکر تھا

اسوقت میں جو تھا کوئی امیر تھا
اپنے غریب بھائی کا وہ دستگیر تھا

عاشق وطن کے نام کا برنا و پیر تھا ہر شخص بلبل چمن کا شمیر تھا
مفلس تھا یا امیروں میں اُسکا شمار تھا
جو تھا وہ دل سے قوم پہ اپنی نثار تھا

وہ جاں نثار قوم تھے قوم اُنپہ تھی فدا آپس میں دوستی و محبت کا ربط تھا
عاشق ہر ایک قوم میں تھا اتفاق کا ہر دل میں جوش اُلفت حقیقی کا تھا بھرا
حُب وطن پہ ساری جماعت کو ناز تھا
جو تھا وہ سالک رہ عجز و نیاز تھا

سچ ہے بشر نہیں جسے حب وطن نہیں بلبل نہیں وہ جسکو ہوائے چمن نہیں
پروانہ کیا جو عاشق شمع لگن نہیں گرویدہ ہو نہ جان پہ جو وہ بدن نہیں
نافہ نہ ہو تو ہیچ غزال تتار ہے
بے رنگ و بو جو پھول ہی گلشن میں خار ہے

سودائے عشق قوم ہو جس سر میں سر وہ ہے ہو جس جگر میں درد محبت جگر وہ ہے
غمخوار غیر ہو جو دل نوحہ گر وہ ہے جس چشم میں ہو اشک وفا چشم تر وہ ہے
رونق ہر اِک مکان کی اپنی مکیں سے ہے
زینت نگیں کی خوبی نقش نگیں سے ہے

جوہر اگر نہوتے تو پھر کون پوچھتا علم و ہنر نہوتے تو کیا کرتے یاں بھلا
ہوش و حواس رکھتے نہ اپنے اگر بجا ہوتا کبھی نہ عقدہ دُشوار اُن سے وا
حب وفا سے اپنا کیا انکو جو تھے غیر
نیت بخیر تھی ہُوا انجام بھی بخیر

جیسا تھا دیس ویسا کیا بھیس اختیار جو تھا چلن زمانے کا سیکھا وہی شعار
حاصل کیا وہ علم جو تھا علم شہریار سیکھے وہ فن کہ جس سے ہوئے صاحب وقار
دانا جو تھے تو جانتے تھے وقت اور ہے
اپنا زمانہ اب نہیں غیروں کا دور ہے

توقیر و شان و شوکت و عزت سے کی بسر
آپس میں اتفاق و محبت سے کی بسر
غربت کے رنج میں بھی مسرت سے کی بسر
غیروں میں عز و جاہ فلاحت سے کی بسر
صحبت رہی تو صاحب علم و ہنر کیساتھ
دربار میں رہے تو بڑے کر و فر کے ساتھ

دکھلایا انقلاب نے نیرنگ آسماں
بدلی ہوائے دہر ہُوا اور ہی سماں
بلبل رہی نہ گل نہ وہ گلشن نہ آشیاں
الٹی زمیں رہی نہ مکیں اور نہ وہ مکاں
افسر گیا سریر گیا زور و زر گیا
انگریز آئے عہد مغلیہ گذر گیا

انگریزی لوگ پڑھنے لگے جائے فارسی
تہذیب بھی نئی ہوئی اور وضع بھی نئی
بدلے تمام جتنے تھے سامان زندگی
کچھ اور ہی اصول کی بنیاد پڑ گئی
سرکار کے کرم سے سب آزاد ہو گئے
مرجھا دو والے پیر و ایجاد ہو گئے

شاہی کا کارخانہ جو تھا سب بدلگیا
انگریزی والا فارسی واں سے نکل گیا
بی اے کا کام خوب زمانے میں چل گیا
قانون جس نے پاس کیا کچھ سنبھل گیا
یہ چال جو کہ چوک گئے پیچھے رہ گئے
منزل کو پہنچے راہ کی سختی جو سہہ گئے

باقی تھیں اپنی قوم میں بھی اگلی ہمتیں
تھیں سب کے خون میں جوش وطن کی حرارتیں
انگریزی میں دکھائی ہیں کیا کیا لیاقتیں
کس دبدبے کی ہیں ججی اور وکالتیں
حاصل بزور علم کیا عز و افتخار
اس عہد نو میں بھی ہوئے مشہور روزگار

یہ اوج و مرتبہ تھا مگر چند روز کا
ہندوستان کی سر میں ہر اک کے بھری ہوا
از بسکہ شوق عشرت و عیش و طرب ہوا
سستی اور کاہلی میں ہوئے لوگ مبتلا
مشکل پسند جو تھے وہ راحت طلب ہوئے

نا آشنائے صحبتِ علم و ادب ہوئے

وہ علم و فن کا قوم میں چرچا نہیں رہا — اگلی لیاقتوں کا ذخیرہ نہیں رہا
وہ غلغلہ وہ نام وہ شہرہ نہیں رہا — وہ دبدبہ وہ رتبہ اعلےٰ نہیں رہا

ہم پست طالعی میں بھی حد سے گذر گئے
جیسے چڑھے تھے ویسے نظر سے اتر گئے

آتا ہے جب خیال بزرگان با صفا — کہتا ہوں حال کیا یہ ہوا انکی نسل کا
الفت وطن کی دل میں کسی کے نہیں ذرا — اولاد رشیوں کی ہے جہالت میں مبتلا

بلبل تو ہیں گلوں سے مگر خار کھاتے ہیں
ذرے ہیں آفتاب سے آنکھیں چراتے ہیں

مطلع سوم

اے کاشمیر تو چمن بے نظیر ہے — شیدا تیرا جوان کی صورت سے پیر ہے
تجھپر ازل سے فضل خدائی کبیر ہے — جسکو لگی ہے تو تیری روشن ضمیر ہے

ہے آرزوے دل کہ تیری آرزو کریں
جب تک زباں رہے تیری گفتگو کریں

جو ہے ہزار جان سے تجھپر نثار ہے — گل سے عزیز ہم کو تیرا خار خار ہے
سرتاج دہر ہند کا تو افتخار ہے — رنگین تجھ سے یہ چمن روزگار ہے

مدت سے اشتیاق ہے اکبار دیکھ لیں
بلبل ہیں چشم شوق سے گلزار دیکھ لیں

سب کرتے آئے ہیں تیری توصیف اور ثنا — تیری زمیں ہے زیر فلک شان کبریا
دیکھا نہیں ہے آنکھ سے کانوں ہی سُنا — ہے یہ شنید دید سے بھی معتبر سوا

اب کچھ ہو پہلے تو چمن بے مثال تھا
کیا حال سے غرض ہے یہ ماضی و حال تھا

فرشِ زمیں کا عرش سے پایا بلند تھا | ہر قصر شکل بامِ مسیحا بلند تھا
شمشاد باغ شاہد بالا بلند تھا | ذرّوں کا مہر سے بھی ستارہ بلند تھا

آب و ہوا کو حکم جو تھا زمہریر کا
بازار سرد رہتا تھا مہر منیر کا

ہر نخل شکل نخلِ تمنّا ہرا بھرا | ہر گل گلِ مراد سے بھی بڑھ کے جانفزا
ہر غنچہ غنچۂ دلِ احباب باوفا | ہر خار خار دیدہ بدبیں پُر دغا

ہر کوہ کاشمیر کا کوہ وقار تھا
ہر چشمہ چشمہ کرم کردگار تھا

چشمِ وفا کا نرگس بیمار پر گماں | سادہ رخوں کی پھولوں میں رنگیں مزاجیاں
بحر عطا کی طرح ہر اک نہر تھی رواں | آزادی وطن تھی ہر اک سرو سے عیاں

کس جوش سے پہاڑ کے چشمے اُبلتے تھے
اہل وطن کے ولولے دل سے نکلتے تھے

ہر سرو میں بلندی ہمت اُنہیں کی تھی | ہر نہر میں صفائی طبیعت اُنہیں کی تھی
ہر گل میں رنگ و بوئے محبت اُنہیں کی تھی | ہر غنچہ کی زباں پہ حکایت انہیں کی تھی

موج صبا مسیح نفس اُنکے دم سے تھے
کشتِ اُمید سبز اُنہیں کے کرم سے تھے

ہے سیر برف کے وہی بالائے کوہسار | جاری ہیں ہر طرف سے وہی اب بھی آبشار
کوسوں تلک وہی ہیں شجرہائے میوہ دار | گلزار میں وہی گل و نسریں کی ہے بہار

بلبل وہی ہیں گل وہی ہیں گلستاں وہی
نہریں وہی سرو وہی قمریاں وہی

دریا وہی ہیں دشت وہی ہیں جبل وہی | سبزہ کنارِ جو ہے وہی سیرِ ڈل وہی
گردوں پہ مہر و ماہ و سہا و زحل وہی | روئے زمیں پہ شہر و مکان و محل وہی

آب و ہوا وہی ہے مرے کاشمیر کی

سردی وہی ہے خطۂ جنت نظیر کی

سب کچھ وہی ہے حیف مگر وہ بشر نہیں
وہ اہل دل نہیں ہیں وہ اہل نظر نہیں
کان و صدف وہی ہیں پہ لعل و گہر نہیں
باغ و چمن وہی ہیں پہ گلہائے تر نہیں
قالب ہے دیکھنے کو پہ قالب میں جان نہیں
نام وطن ہے حب وطن کا نشان نہیں

کیا آجکل وطن کی ہی حالت نہ پوچھئے
کیا کیا پڑی ہیں رنج و مصیبت نہ پوچھئے
جہل و نفاق کبر کی ذلت نہ پوچھئے
کشمیریوں کی گردش قسمت نہ پوچھئے
جنت میں بھی عذاب جہنم اٹھاتے ہیں
اعمال بد کئے ہیں سزا اسکی پاتے ہیں

گلزار میں بھی وحشت کا وحشت کا رنگ ہے
صبح وطن میں شام غریبی کا ڈھنگ ہے
جو ہے وہ جور دست زمانہ سے تنگ ہے
کشت امید مورد باران سنگ ہے
آوارہ آرزوئیں ہیں مانند گرد راہ
کشتی قوم موج تلاطم میں ہے تباہ

ناظم کوئی نہیں کوئی مسند نشین نہیں
وہ عز و شان و شوکت قومی کہیں نہیں
وہ ملک اب نہیں وہ مکان و مکین نہیں
دیکھو وہ آسمان نہیں وہ زمین نہیں
رنگ اور ہی ہوا ہے مہ و آفتاب کا
جاری زمانے بھر پہ ہے حکم انقلاب کا

آزادی کا بلند ہوا ہند میں نشان
پہونچی ہے روشنی ولایت کہاں کہاں
دیکھو جدھر مسائل ملکی کے ہیں بیان
تعلیم مغربی سے ہے ہر شخص کامراں
جلوے ہر اک سمت نئی روشنی کے ہیں
شاگرد لوگ برک و مل و ہکسلی کے ہیں

اخلاق وہ نہیں ہیں جو تھے چند سال ادھر
عادات پہ بھی تازہ خیالونکا ہے اثر
آزادی اناث بھی آنے لگی نظر
نور انقلاب کا ہے ہر اک سمت جلوہ گر

مذہب میں ہندوؤں کے تغیر عظیم ہے
اور معرضِ خطر میں طریق قدیم ہے

صد شکر بدلی ہند کے گلزار کی ہوا
پیدا خیال دل میں ترقی کا ہو چلا
ڈرنا تغیرات سے ہرگز نہیں بجا
ہوگا یہ انقلاب ذریعہ نجات کا
سکتا بدن کو ہو تو کہاں حفظِ جاں رہے
پاکیزگی جو چاہے تو پانی رواں رہے

شائستگیٔ نو کا ہر اک سو ظہور ہے
اس سرزمین سے ظلمتِ ادبار دور ہے
پھر جلوہ کُن علوم و فضائل کا نور ہے
پھر بزمِ ہند مسکنِ شمعِ شعور ہے
بیدار مغز جو ہیں وہ سب فیضیاب ہیں
اک اپنی قوم والے فقط محو خواب ہیں

بنگال کے عروج میں کیا قیل و قال ہے
پیشِ نظر مرہٹوں کی عمدہ مثال ہے
لیکن نجانے کسطرف اُن کا خیال ہے
کچھ دیکھتے نہیں جو زمانے کا حال ہے
دن رات مست رہتے ہیں باتیں اڑاتے ہیں
دیجے صلاح نیک تو کیا کیا سناتے ہیں

لیتے ہیں سب سے دون کی نخوت تو دیکھئے
لڑتے ہیں ہر کسی سے جہالت تو دیکھئے
باہر کے ٹھاٹھ باٹ امارت تو دیکھئے
گھر جا کے اُنکے غور سے حالت تو دیکھئے
بُو سر میں میرزائی کی بے حد سمائی ہے
یا رب یہ قوم والوں پہ کیا شامت آئی ہے

افسوس اہلِ قوم کو مارا غرور نے
کیسا نظر سے سب کے اوتارا غرور نے
زلف و قار کو کو نہ سنوارا غرور نے
بیرنگ رنگ کر دیا سارا غرور نے
کیفِ خودی سے ہوش اڑے عجز و حلم کے
اور پانوں لڑکھڑانے لگے عقل و فہم کے

کیا کام امیر کو ہے غریبوں کے کام سے
فرصت کہاں ہے کشمکش حرص خام سے

باتیں یہی ہیں اُن کی ہر اک خاص و عام سے لڑکے کو بیاہئے تو بڑی دھوم دھام سے
خبطِ عروج صورت چرخِ کبوُد ہے
دیکھو جسے اسیر طلسم نمود ہے

پڑھنے سے کچھ غرض ہے نہ لکھنے سے کام ہے شغل فلش ہر ایک جگہ صبح و شام ہے
مذہب میں اُنکے علم کا چرچا حرام ہے شرب مئے نشاط سے کیف مدام ہے
جلسے ہیں صحبتیں ہیں ہنسی ہے مذاق ہو
جس نوجواں کو دیکھو ظرافت میں طاق ہو

طالع ملے ہیں پست ارادے بلند ہیں ہیں برہمن یہ چاہ ضلالت میں بند ہیں
مشکل کا سامنا ہے یہ راحت پسند ہیں غافل زمانے سے ہیں بڑے عقلمند ہیں
نفرت ہے علم و فضل سے خواہش ہے نام کی
آزادی کی ہوس ہے جو سیرت غلام کی

جب تربیت میں قوم کا باقی نہیں نشان پھر کیوں بزرگ خوردوں سے ہوتے ہیں بدگماں
تعلیم جیسی پاتے ہیں ویسے ہیں نوجوان صحبت ملے خراب تو جائے اثر کہاں
افعال اِن کے آئینۂ حال قوم ہیں
اقوال اِن کے شاہد اعمال قوم ہیں

ظاہر ہے جوکہ قوم کا احوال ہے تمہیں لیکن جو آرزوی زر و مال ہے تمہیں
ادبار میں بھی خواہش اقبال ہے تمہیں منظور پھر درستی اعمال ہے تمہیں
لکھو پڑھو لئیق ہو صاحب کمال ہو
اُس چال سے چلو جو زمانے کی چال ہو

شُد بُد سے فارسی کی چلیگا نہ کام اب دعوت سے اور سبیلوں سے ہوگا نہ نام اب
دو دن کی واہ واہ کو کیجے سلام اب للّٰلہ چھوڑ دیجئے کہیں سودائے خام اب
جو پاس تھا نمود نمائش میں کھو چکے
ہشیار اب بھی ہوجئے اِتنا تو سو چکے

عالم میں علم سے شرف انسان کو ہُوا — قطرہ تھا فیض سے وہ ہوا دُرِ بے بہا
گر غور کیجئے تو بشر کی ہے اصل کیا — لیکن ہُوا یہ سرِ حقیقت سے آشنا

دُنیا میں کون عقدہ ہے جو اس سے وا نہیں
کوئی بھی بڑھ کے علم سے مشکلکشا نہیں

بوئیں زمینِ شور میں بھی تخمِ علم اگر — پیدا وہاں کمال و ترقی کے ہوں شجر
جو شاخ فیض ابر کرم سے ہو بار ور — دکھلائے خوبیوں کے وہ برگ و گل و ثمر

جوشِ بہار میں کہیں چٹکی اگر کلی
آئی خزانِ غم کو صدا دُور باش کی

ہندوستان سے بعد ولایت ہے کسقدر — جاتی ہے ایک پل میں یہاں سے وہاں خبر
کرتے ہیں آگ پانی بھی کیا خدمت بشر — توسن اگر دخاں ہے تو بجلی پیامبر

عقل اپنی کیوں کرشمۂ یورپ سے دنگ ہے
اعجاز علم سے یہ طلسم فرنگ ہے

قانع نہیں یہ لوگ ترقی حال سے — حاضر ہیں کسب علم کو سب جان و مال سے
خالی نہیں ہے کوئی گھڑی اس خیال سے — لاتے ہیں غرب و شرق و جنوب و شمال سے

جوہر نئے نئے ہنر و فن نئے نئے
ایجاد تازہ تازہ تو فیشن نئے نئے

تھا اوج پر ستارہ کبھی اپنی ہند کا — خورشید علم اسکا بھی بُرج شرف میں تھا
بیاس وشسشٹ و گوتم و شنکر وہ بید پا — تھے کس دل و دماغ کے اصحاب باصفا

یکتا تھے بے نظیر تھے سب بیمثال تھے
مہر سپہر دانش علم و کمال تھے

لیکن ذرا یہ دیکھو تو نیرنگ آسماں — واقع ہیں اُنکی نسل میں کیا کیا خرابیاں
میدان جہل میں ہے ہر اک مطلق العناں — بیجو دمے خودی سے ہی ہر پیر و نوجوان

مانوس جسکو دیکھئے اشغال بد سے ہے

عاری عبائے ہوش و قبائے خرد سے ہے

مرجاد کے اسیر ہیں پیران نیک خو ہر دم نئے فشن کی جوانوں کو جستجو
ہر مرد و زن کو جھوٹی نمایش کی آرزو گھر گھر فساد و فتنہ و شر کی ہے گفتگو

صورت ہے آدمی کی پہ سیرت نہ پوچھئے
حضرت بس اپنی قوم کی حالت نہ پوچھئے

یا رب کسے بھلا کہوں کسکو برا کہوں جب سب کے سب ہوں ایک سے پھر کسکو کیا کہوں
مقصود کس سے کس سے کوئی مدعا کہوں سنتا ہے کون کس سے ہیں یہ ماجرا کہوں

سچ سچ جو کہئے کچھ تو بگڑتے ہیں اہل قوم
کیجے جو بات صلح کی لڑتے ہیں اہل قوم

مانا کہ اگلے لوگ تھے مشہور و نامور کچھ اپنے حال پر بھی ذرا کیجیے نظر
بیجا ہے فخر وصف اضافی پہ اس قدر تہ کر کے رکھیئے دفتر پارینہ طاق پر

چرچا پرانی باتوں کا سب واہیات ہے
حاصل کمال آپ بھی کیجے تو بات ہے

ہے شکر کا مقام کہ دولت خدا نے دی ہوش و حواس چشم بصارت خدا نے دی
تاب و تواں و قوت و ہمت خدا نے دی ذہن و ذکا و فہم و فراست خدا نے دی

جوہر شکل آئینہ گو سب حصول ہیں
بے عکس حب قوم مگر وہ فضول ہیں

امید وار قوم تمھاری مدد کی ہے مدت سے تنگ ستائی ہوئی بخت بد کی ہے
شورش ہر ایک سمت سے بغض و حسد کی ہے اس پاشکستگی پہ بلا دست رد کی ہے

مل جائیں سب کہ دور ہو دورہ نفاق کا
پھر پھولے باغ قوم میں گل اتفاق کا

بام و ستون جو ہوں در و دیوار سے جدا وہ گھر نہیں ہے ڈھیر ہے اک سنگ و خشت کا
جب اختلاف چار عناصر میں پڑ گیا کس کس مرض میں ہو گیا انسان مبتلا

فرقت میں نکلیں وصل کی ارمان کس طرح

اعضا میں پھوٹ ہو تو بچے جان کس طرح

ہے اپنی قوم پر یہ مصیبت نفاق سے — لاکھوں طرح کی پڑتی ہے آفت نفاق سے

ہم چشموں میں ہے خواری و ذلت نفاق سے — کھوئی ہے ہمنے قوم کی عزت نفاق سے

بیگانہ اتفاق سے برتاؤ پیر ہیں

ہندوستان بھر کی نظر میں حقیر ہیں

وہ مہر وہ وفا وہ محبت نہیں رہی — وہ پاس دل وہ چشم مروت نہیں رہی

نیرت نہیں رہی وہ طبیعت نہیں رہی — وہ شرم وہ حمیت و غیرت نہیں رہی

ہمدردی کا دلوں میں ذرا بھی اثر نہیں

اپنے سوا کسی کو کسی کی خبر نہیں

تاروں سے بڑھ کے صاحب زر ہو کوئی تو کیا — دولت وہ کیا کہ بس ہو نہ اوروں کا ہو بھلا

بیکار علم ہے جو نہ دے عقل کو جلا — بے سُود عقل عقدہ دل ہو نہ جس سے وا

کب وہ خبر ہے جس کی کوئی مبتدا نہیں

بے شرط کی جزا ہے اگر تو جزا نہیں

دولت ملے تو قوم پہ کیجیے اُسے نثار — کچھ بس چلے تو ہوجئے اور ونکے غمگسار

کیجے طریقِ خیر میں کچھ خیر اختیار — منہ موڑیے نہ مشکلیں پیش آئیں گو ہزار

وہ کام ہو کہ جس سے زمانے میں نام ہو

بغض و نفاق و جہل کا قصہ تمام ہو

للہ اپنے بچوں پہ شفقت ذرا کرو — خُردوں سے کچھ تو حق بزرگی ادا کرو

علم و ہنر کی انکو بھی دولت عطا کرو — امداد کارِ خیر میں بہر خُدا کرو

دیکھو تو کن بزرگوں کی یہ یادگار ہیں

باغ وطن کے تازہ گلِ نو بہار ہیں

باغ جہاں میں کھلتے ہیں گل کتنے جا بجا — بو بھی نہیں سنگھاتی ہے جنکی کبھی صبا

کتنے گھر ہیں گردِ یتیمی میں مبتلا　　آب بیٹھے خاک میں ہیں پڑے کتنے بے جلا
ہیں بے نشان کتنے نگینہائے نام دار
حیران جن کو دیکھ کے ہو عقل سادہ کار

ہیں اپنی قوم میں بھی جوانان خوش سیر　　دی ہے خدا نے جنکو ہر اک خوبیٔ بشر
درج ذکا و ذہن و فراست کے ہیں گہر　　پر ہیں ستم رسیدہ گردون کینہ ور
مفلس ہیں خستہ حال ہیں گو خوشخصال ہیں
بازار ناشناس ہیں گوڈر کے لال ہیں

لڑکوں کے حال زار پہ مطلق نظر نہیں　　معصوم کے بھی درد کے ہم چارہ گر نہیں
گھر لٹ رہا ہے اور ہمیں کچھ خبر نہیں　　ٹکڑے جگر کے اڑتے ہیں دل پر اثر نہیں
جس قوم کی کہ آپسے پشت و پناہ ہوں
افسوس ایسے قوم کے لڑکے تباہ ہوں

گر چاہتے ہیں آپ کہ لڑکے ہوں خوشخصال　　نسواں کی تربیت کا بھی لازم ہے کچھ خیال
کیا کہیئے جو ہوا ہے جہالت سے انکا حال　　اس حال میں ترقی اطفال ہے محال
زیور زنوں کو علم و ہنر کا پنھائیے
لڑکوں کو اپنے لایق و فایق بنائیے

ہر حال میں ہیں لازم و ملزوم مرد و زن　　یہ ہے گل چمن تو وہ ہے بلبل چمن
یہ دل ہے وہ دماغ یہ ہے جان وہ بدن　　پروانہ اسکو کہئے تو یہ شمع انجمن
روز ازل سے دونوں میں ناز و نیاز ہے
نغمہ سے تار تار سے نغمہ کو ساز ہے

کج فہمی زنان کا نہ کیجیے بہت گلا　　ہم نے سنا ہے آدم و حوّا کا ماجرا
نسواں سے گو کہ مرد ہیں آگے ہر ایک جا　　وہ صورت خبر ہیں تو وہ شکل مبتدا
کیجے جوان کے ربط حقیقی پہ کچھ نظر
ذات و صفت کی طرح ہیں پابند یکدگر

دونوں سے ہے بندھا ہوا شیرازہ قوم کا
دونوں سے ہے جماعت انساں کی ابتدا
بخشے خدا نے دونوں کو جوہر جُدا جُدا
زور ایک کو تو دوسرے کو عفت و حیا
ہیں حسن و عشق عالم ایجاد کے لئے
لازم ہیں دونوں خانہ آباد کے لئے

وہ قوم کیا کہ جس میں نہ عورت کا ہو وقار
کرتے ہیں قدر اِن کی خردمند و ہوشیار
مردوں کی ہیں یہ رنج و مصیبت میں غمگسار
ہے ان کی تربیت پہ ترقی کا انحصار
علم و کمال و مذہب و اخلاق ان سے ہیں
یورپ کے لوگ شہرۂ آفاق اِن سے ہیں

ہر اک تھا زیر سایہ دامان مادری
کسکو نہیں ہے یاد وہ الطاف گستری
جب منحصر تھی شیر ہی پر جسم پروری
تاثیر مادری سے ہو کیونکر کوئی بری
بچوں کو ماں کی گود بھی مکتب سے کم نہیں
اس مدرسہ میں حاجت لوح و قلم نہیں

فریادِ قوم سُن کے نہ ہو جائیے خموش
رکھئے بجا خرابہ عالم میں عقل و ہوش
سُن رکھیں اُسکو خوب جو ہیں گوش حق نیوش
انسانکو چاہئے ہو عطا پاش عیب پوش
بیکس کا چارہ ساز خدا کا حبیب ہے
دست سلوک مرہم زخم غریب ہے

للّٰہ عقل و فہم سے کچھ کام کیجئے
کبر و خودی و جہل کو اب چھوڑ دیجئے
رفتار پر زمانے کی بھی غور کیجئے
فریاد قوم سُن کے کبھی تو پسیجئے
فرمائیے مدد کو بس اب حال غیر ہے
محتاج استخارہ نہیں کار خیر ہے

نام رفاہِ قوم سے گو احتراز ہے
موقع ہے اب بھی ہمکو در توبہ باز ہے
اس راہ میں ہزار نشیب و فراز ہے
نیت بخیر ہو تو خدا کارساز ہے
انسان کو مشکلات سے ڈرنا نہ چاہئے

عزمِ قوی و ہمّت مردانہ چاہیئے

والے درِ قبول کہ وقت دعا یہ ہے
ہنگامِ عرض و خواہش و ہر مدعا یہ ہے

بندوں پہ اپنے ساعتِ لطفِ خدا یہ ہے
دم یہ ہے مغتنم کہ دمِ التجا یہ ہے

رُکیئے نہ **ابر** دیر و توقف نہ کیجئے
جو مانگنا ہو آپ کو وہ مانگ لیجئے

ہوں دُور اس نفاق کے رنج و الم کہیں
راہ رضا میں ہو سرِ تسلیم خم کہیں

جوش و خروش بحرِ جہالت ہو کم کہیں
منہ ساحلِ مُراد کا دیکھیں تو ہم کہیں

کشتیٔ قوم فضلِ خدائے کریم سے
نکلے کہیں دو آبہ امید و بیم سے

آنریبل پنڈت بشن نرائن در آبر

رسالہ سفیر لاہور

جسے

جون ۱۹۱۴ء میں پنڈت لچھمی نرائن صاحب کول

نے جاری کیا ہے عنقریب

ہفتہ وار ہونے والا

ہے

آپ بھی اسکے خریداروں میں شامل ہوکر اپنی قومی محبت کا ثبوت
دیجئے اس کا خاص مقصد کشمیری پنڈتان میں اتفاق و اتحاد

پیدا کرنا ہے

المشتہر منیجر رسالہ سفیر زیوک آشرم لاہور